بحث و نظر

مولانا اخلاق حسین قاسمی

جہنّم کی آگ اور اہلِ ایمان
ایک تفسیری تحقیق

سورۃ الہمزہ میں جہنّم کی آگ کا تعارف بایں الفاظ مذکور ہے :

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ ؕ

"آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی وہ جو چڑھ آتی ہے اوپر دلوں کے ۔"

(ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ)

"تَطَّلِعُ" کا ترجمہ شاہ ولی اللہؒ نے کیا ہے "کہ غالب شود" — مولانا تھانویؒ نے کیا ہے : "دلوں تک جا پہنچے گی۔" آج تک تمام عربی، فارسی اور اردو مفسّرین نے "طلوع" کا مفہوم بلند ہونا اختیار کیا ہے ۔ اسی مفہوم کو مختلف پیرایوں میں اہلِ تراجم نے ادا کیا ہے، لیکن حضرت شاہ عبدالقادرؒ وہ پہلے مفسّر ہیں جو ان تمام حضرات سے الگ چلے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے غور کیا کہ قرآن کریم میں یہ واحد مقام ہے جہاں جہنّم کی آگ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ورنہ اکثر مقامات پر "نارِ جہنّم" کہا گیا ہے۔ جیسے سورۃ الطور میں فرمایا گیا :

یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ دَعًّا ؕ ھٰذِہِ النَّارُ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِہَا تُکَذِّبُوْنَ ۝

"جس دن وہ اہلِ کفر جہنّم کی آگ کی طرف دھکیلے جائیں گے دھکیل کر ، یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلاتے تھے۔"

سورۃ الاعلیٰ میں اسے "النَّارَ الْکُبْرٰی" کہا گیا :

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۙ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ۚ	"اور اس نصیحت سے وہ بدبخت دور رہتا ہے جو آخرت میں بڑی آگ میں داخل ہوگا۔"

سورۃ اللیل میں "نارًا تلظّٰی" (شعلہ زن بھڑکتی ہوئی آگ) کہا گیا۔ خدا تعالیٰ کی طرف اس نسبت کے اسلوب میں کیا اشارہ پوشیدہ ہے؟

(۱) بعض حضرات نے اس نسبت سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا مفہوم پیدا کیا اور یہ کہا کہ وہ آگ اتنی قوی ہوگی کہ منکرین کے جسم کو جلا کر ان کے دلوں تک اندر پہنچ جائے گی۔

(۲) بعض حضرات نے خدا تعالیٰ کی حکمت اور اس کے علم کا مفہوم پیدا کیا اور کہا کہ وہ آگ اس قدر سمجھ دار ہوگی کہ ہر مجرم کو اس کے جرم کے ہلکے اور بھاری ہونے کے لحاظ سے سزا دے گی، حالانکہ صورت میں آگ آگ ہی ہوگی لیکن اس کی گرمی اور تپش جرم کے مطابق کہیں ہلکی ہوگی اور کہیں سخت اور شدید ہوگی۔

(۳) حضرت شاہ صاحبؒ نے اس نسبت سے خدا تعالیٰ کے رحم و کرم کا مفہوم پیدا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کے رحم و کرم کی صفت تمام صفات پر غالب ہے۔

حدیثِ قدسی ہے: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ عَلَىٰ غَضَبِي (بے شک میری رحمت میرے غضب سے مقدم ہے۔)

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۙ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝ (الحجر)	"اے نبیؐ! میرے بندوں کو خبردار کردو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔"

اس آیت کے اسلوب پر غور کرو، رحمت و بخشش کی بشارت میں ان دونوں صفتوں کو صفت کے صیغوں میں بیان کیا، یعنی یہ دونوں باتیں میری شان اور صفت ہیں

اور تاکید کے دو لفظوں کے ساتھ کہا : " اَنِّیۡ اَنَا " جس کا ترجمہ شاہ صاحب نے تحقیق اور بے شک سے کرنے کے بجائے " اصل " کا ایک لفظ لا کر اس میں جان ڈال دی ہے ۔ عذاب کی وعید کو صفت و نشان کے طور پر بیان نہیں کیا، بلکہ اضافت کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک رمز شناس عارف باللہ کے طور پر نار کی نسبت میں نشانِ کریمی کی طرف اشارہ کیا اور " تطّلع " کا ترجمہ اطلاع و خبر کے مفہوم کے مطابق بڑا عجیب کیا۔ فرمایا :

" وہ جھانک لیتی ہے دلوں کو۔"

'جھانکنے' کے لفظ میں طلوع اور اطلاع کے دونوں مفہوم نکلتے ہیں ۔ یعنی جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ جھانک رہا ہے اور دُور سے دیکھنے کو اردو میں جھانک کر دیکھنا کہا جاتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ آگ دُور سے دیکھتی ہے، قریب نہیں جاتی ہے۔

اب تفسیری فائدہ میں شاہ صاحب اس اشارہ کو کھولتے ہیں۔ فرماتے ہیں :

" یعنی جس دل میں ایمان ہے تو نہ جلاوے اور جس دل میں کفر ہے تو جلاوے۔"

قرآن کریم میں طَلَعَ دونوں معنی میں آیا ہے ۔۔۔ نکلنے اور بلند ہونے کے معنی میں بھی اور خبردار ہونے کے معنی میں بھی

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ ۔ (الکہف : ۹۰)

" یہاں تک کہ جب ذوالقرنین سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو اس نے وہاں ایک قوم کو پایا۔"

قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیۡ سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ۝ (الصافّات : ۵۵)

" آواز آئی کہ کیا تم (اس منکر آخرت دوست کو) دیکھنا چاہتے ہو، کیا اسے جھانک کر دیکھو گے ! پھر اس نے جھانک کر دیکھا تو اسے دوزخ کے بیچ میں دیکھا۔"

اب ایک اشکال یہ پیدا ہوا کہ شاہ صاحب کی اس تاویل کے مطابق اہلِ ایمان کا جہنّم میں داخلہ تو ثابت ہوتا ہے۔ سزا نہ سہی، لیکن داخلہ تو ہُوا؟ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

اصحابِ رجاء کا مسلک

اس مسئلہ کی تحقیق میں دو مسلک ہیں ــــ ایک مسلک 'اصحابِ رجاء' (پُرامید) علماء کا ہے اور دوسرا مسلک 'اصحابِ خوف' حضرات کا ہے ــــ اور مذاق و مزاج کا یہ فرق شروع ہی سے چلا آرہا ہے، بلکہ یوں کہیئے کہ صاحبِ وحی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ پاک ہی میں یہ دونوں رنگ الگ الگ موقعوں پر ظاہر ہوئے، کیونکہ حضورؐ جلال و جمال دونوں صفات کا مظہر تھے۔

حضراتِ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اندر غلبۂ رحمت اور غلبۂ خوف کا یہ اختلاف سورۂ مریم کی حسب ذیل آیت کی تشریح میں ظاہر ہُوا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝	"اور تم میں سے ہر شخص جہنّم سے گزرے گا۔ تمہارے پروردگار کا یہ فیصلہ یقینی ہے، پھر ہم اہلِ تقویٰ کو نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اس میں اوندھے منہ ڈالے رکھیں گے۔"

اس آیت میں عربی لفظ 'وُرُود' آیا ہے۔ وُرُود کے معنی ایک جماعت کے نزدیک گذرنے اور عبور کرنے کے ہیں اور ایک جماعت کے نزدیک داخل ہونے کے ہیں۔ پہلے مسلک میں امام قتادہؒ تابعی اور زید ابن اسلمؒ تابعی ہیں، ان کے نزدیک ورود کے معنی 'مرور' (گذرنے) کے ہیں اور زید کہتے ہیں: اہلِ ایمان کا وُرُود صرف پُل صراط سے گذرنا ہے اور اہلِ شرک کا ورود جہنّم کے اندر داخل ہونا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس آیت کی تفسیر یہ فرماتے ہیں:

"اہلِ ایمان پُل صراط سے گزریں گے اور اس گزرنے کی رفتار ہر شخص

کے اعمالِ حسنہ کی قوت کے مطابق ہوگی، بعض بجلی اور برق کی رفتار سے، بعض بہترین گھوڑوں اور بعض اونٹوں اور بعض انسان کی دوڑ کی رفتار کے مطابق دوڑ کر گذر جائیں گے۔ اور آخری بے عمل مومن وہ ہوگا جس کے پیر کے انگوٹھے پر روشنی ہوگی، جس کی مدد سے وہ گرتا پڑتا پُل صراط سے گذر جائے گا۔ یہ پُل صراط ایک پھسلنی راہ ہوگی، ببول کے کانٹے اور گوکھرو اس پر بکھرے ہوئے ہوں گے فرشتے دونوں طرف کھڑے ہوں گے اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کے کانٹے ہوں گے، جن سے وہ اہلِ شرک کو پکڑ پکڑ کر جہنم میں دھکیل دیں گے۔ اور وہ اہلِ ایمان کے حق میں یہ دعا کر رہے ہوں گے: اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ (الٰہی انہیں سلامتی کے ساتھ گزار دے)

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس پُل صراط کے بارے میں لکھا ہے کہ جہنم ایک تندور کی شکل میں ہے جس کے اوپر گزرنے کے لیے پل بنا ہوا ہے۔ جب گزرنے والے گزر جائیں گے اور گرنے والے گر جائیں گے تو اس کا منہ بند ہو جائے گا۔ اعاذنا باللہ منہ۔

ایک غریب حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یَبْقٰی بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ اِلَّا دَخَلَھَا فَتَکُوْنُ عَلَی الْمُؤْمِنِ بَرْدًا وَّسَلَامًا کَمَا کَانَتْ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ، حَتّٰی اِنَّ لِلنَّارِ ضَجِیْجًا مِنْ بَرْدِھَا۔

"ہر نیک و بد جہنم میں داخل ہوگا یعنی گناہوں کی وجہ سے، لیکن مومن پر وہ آگ ٹھنڈی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیمؑ پر ہوئی، یہاں تک کہ مومن کے ایمان کی ٹھنڈک کی اذیت سے دوزخ چلّانے لگے گی۔"

حضورؐ کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے حق میں سزائے جہنم بس اتنی ہی ہوگی کہ وہ اس بدترین قیدخانہ میں داخل کر دیئے جائیں، اس سے زیادہ نہیں — پھر دوزخ کے چلّانے پر باہر نکال دیئے جائیں گے۔ بصرے کے تابعین میں حضرت ابنِ سیرین اہل رجاء کے امام مانے جاتے ہیں۔ آپ سورۃ اللیل کی آیت ۱۶ تلاوت کیا کرتے تھے:

لَا یَصْلٰھَآ اِلَّا الْاَشْقَی ۞ اَلَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۞ "جہنّم میں صرف تکذیب کرنے والے اور روگردانی کرنے والے بدنصیب ہی داخل ہوں گے۔"

اہلِ خوف کا مسلک

دوسرا مسلک اہلِ خوف کا ہے۔ اس طبقہ کے امام ابنِ سیرینؒ کے ہم عصر خواجہ حسن بصریؒ ہیں۔ عبداللہ ابنِ مبارکؒ نے امام حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ تُو جہنّم میں وارد ہوگا؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تُو اس سے باہر نکلے گا؟ یعنی آیت میں ورود کا ذکر ہے، صدور کا ذکر نہیں ہے۔ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر تو ہنستا کیوں ہے! اس پر اس گفتگو کا اتنا اثر پڑا ہے کہ زندگی بھر اُسے ہنستا نہیں دیکھا گیا۔

حضرت ابنِ عباسؓ کو اس بات پر اصرار تھا کہ آیت مذکورہ میں ورُود کے معنی دخول کے ہیں۔ چنانچہ نافع ابن ازرق خارجی کے جواب میں آپ نے قرآن کریم کی تین آیتیں تلاوت فرمائیں، جن میں ورود کے معنی دخول کے ہیں:

(۱) اَنْتُمْ لَھَا وَارِدُوْنَ (الانبیاء: ۹۸)

(۲) فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ (ہُود: ۹۸)

(۳) وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا (مریم: ۸۶)

پھر آپ نے اس سے مذاق کیا، اور فرمایا: اے نافع! تو اور میں دونوں اس میں داخل ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ تجھے اس سے خارج نہیں کرے گا کیونکہ تُو اس کا منکر ہے۔ نافع ہنستا ہُوا چلا گیا۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا: خدا کی قسم اگلے لوگ یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْنِیْ مِنَ النَّارِ سَالِمًا وَّ اَدْخِلْنِی الْجَنَّۃَ غَانِمًا

"الٰہی مجھے دوزخ سے صحیح سلامت نکال لیجیو اور مجھے جنّت میں خوش و خرّم داخل کیجیو۔" (ابنِ کثیر، ج ۳ ص ۱۳۲)

دونوں قسم کے اقوال میں تطبیق کی ایک صورت بھی بنتی ہے اور وہ اس طرح کہ پُل صراط جہنّم کے اوپر واقع ہے۔اِس لیے اس پُل کی گذرگاہ پر چڑھنا جہنّم میں داخل ہونا ہی کہلائے گا۔اس معنی میں داخل ہونا کہ جہنّم کی آگ میں ڈالا جائے ، مومن کے حق میں درست نہیں۔

اب حضرت شاہ صاحبؒ کے تفسیری فائدہ کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی اہلِ ایمان پُل صراط سے گذر رہے ہوں گے اور جہنّم کی آگ اُن کے دلوں میں ایمان کی روشنی دیکھ کر ان سے دُور رہے گی اور منکرینِ حق کو ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اپنے اندر گھسیٹ لے گی اور کفر و شرک کے جہنّمی شعلے انہیں زندگی بھر جھلساتے رہیں گے۔اعاذنا اللّٰہ منہ۔

رہی یہ بات کہ گناہوں کی سزا (جس کا قرآن اعلان کرتا ہے) ایک گناہگار مومن کو کس طرح دی جائے گی؟ تو اس کی وضاحت حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے قرآن و حدیث کی واضح نصوص کی روشنی میں اس طرح کی ہے۔فرماتے ہیں :

"اہلِ کبائر کہ گناہِ ایشاں بہ مغفرت نہ آمدہ اند بہ توبہ یا شفاعت یا بہ مجردِ عفو و احسان و نیز آں کبائر را بالام و محض دنیوی باشد و سکراتِ موت مضر نہ ساختہ ، اینر است کہ در عذاب آنہا جمع را بہ عذابِ قبر کفایت کنندہ وجمعے دیگر را با وجودِ محنتہائے قبر با احوالِ قیامت و شدائدِ آں روز اکتفا فرمانند واز گناہاں باقی نگذارند کہ محتاج بعذابِ نار گردند۔"

(مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۶۶ صـ ۳۱۸)

حاصل یہ کہ کبیرہ گناہوں کے مجرموں کی سزا کے لیے بھی عذابِ جہنّم کی ضرورت نہ ہوگی (صغیرہ گناہ تو نیکیوں اور عبادات کے ذریعہ ہی ختم ہو جائیں گے) کیونکہ اگر یہ کبیرہ گناہ بندہ کی توبہ، شفاعت اور خالص فضلِ خداوندی سے محروم ہونے کی وجہ سے باقی رہ جائیں گے تو دنیوی مصائب ، موت کی سختی ، قبر کی شدّت اور آخر میں میدانِ حشر کی ہولناکیوں سے ان کا کفّارہ ہو جائے گا اور جہنّم کی آگ سے سزا دینے کی ضرورت نہ پڑے گی۔

○○